ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

کرشن چندر کے افسانوں کا مطالعہ
(سیاسی و سماجی حوالے سے)
A Study of Krishn Chander's Short Stories
(Politically and Socially)

ڈاکٹر لبنیٰ نصیر، اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)
گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین سیٹلائیٹ ٹاون بہاولپور

Dr. Lubna Naseer, Assistant Professor of Urdu Govt Graduate College for Women, Satellite Town Bahawalpur, drlbunanaseer240@gmail.com

Abstract
Krishn chander stands out among his contemporaries with a distinctive style. In the same period there were writers like Minto who successfully tried to find grace from Satan and nobility from the heap of filth. Manto had to face a lot of problems due to writing on sexuality, but seeing it from this point of view is nothing but cruelty to Manto. On the other hand, a very big name belongs to Bedi. His special theme was to bring the problems of women, old people and children to the attention of the society. How does a woman run the house with complete integrity, is the salve of everyone's sorrows, but no one lays a finger on her visible vein. And Krishn Chander's themes were romantic and Kashmiri in the beginning, but with the passage of time, he moved from "Maha Lakshmi Ka Pul" to Netaji walking in an air-conditioned car with torn old clothes of oppressed and destitute women. Also saw the beautiful face of Since Krishna Chandra spent most of his life in cities, he made the problems of urban life the subject of his works.

Key Words:
Krishn chander, Politically and Socially, distinctive style, heap of filth, Manto, Bedi, Romantic and Kashmiri, "Maha Lakshmi Ka Pul",

کرشن چندر اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔انہوں نے اپنی اس انفرادیت کو آخری دم تک برقرار رکھا اور لازوال افسانے تخلیق کیے۔اس کامیابی کے پیچھے ان کی انتھک محنت ، جد و جہد، لگن اور پُر خلوص جذبات کار فرما تھے۔اپنی افسانہ نگاری کی بدولت نہ صرف ہندوستان میں انہوں نے اپنی شناخت قائم کی بلکہ دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی ان کے افسانوں کے تراجم ہوئے جن سے ان کی شہرت دیگر ممالک میں بھی ہوئی۔کرشن چندر کے تیس سے زائد افسانوی مجموعے شائع ہوئے۔انہوں نے اپنے افسانوں میں متنوع موضوعات کو پیش کیا ہے لیکن ان کا بنیادی موضوع انسانی زندگی اور اس کے مسائل ہی ہیں۔یہی سبب ہے کہ وہ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ رہے اور ہمیشہ ادب برائے زندگی کے نظریے کو مد نظر رکھ کر افسانے تحریر کیے۔انہوں نے انسان دوستی اور بین الا قوامیت کا پرچار اپنے افسانوں میں کیا ہے۔ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عقیل لکھتے ہیں :

> " ہماری زندگی کا تعلق اب محض ہندوستان اور اس کے دیہاتوں ہی سے نہ رہ گیا تھا بلکہ عالمی اثرات ہماری روزانہ کی زندگی پر اثرانداز ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں روز بروز معاشی اور سیاسی کشمکش میں گھسیٹ رہے تھے اور جن کو نظر انداز کرنا ہمارے بس کا کام نہ تھا۔انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام نے سوشلزم کے ساتھ ساتھ ادب کی نئی قدروں کا احساس دلانا شروع کیا اور یہ احساس روز بروز ایک رجحان کی صورت بنتا چلا گیا۔اردو

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

میں بہت سارے نئی طرز کے افسانہ نگار پیدا ہو گئے جن میں کرشن چندرسب سے آگے تھے۔'' (۱)

افسانے میں موضوع اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔موضوع زندگی کی حقیقتوں اور مسائل سے متعلق ہوتا ہے۔ہر موضوع کو ادب کا حصہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے عصری شعور اور رجحان کے ساتھ ساتھ حقیقت پسندی اور سچائی کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔افسانے میں سماج اور انسانی زندگی سے جڑا ہوا کوئی بھی واقعہ، تجربہ، مشاہدہ، احساس یا جذبہ موضوع بنا یا جاسکتا ہے۔جس طرح انسانی زندگی میں وسعت ہے اسی طرح افسانے کے موضوعات میں بھی وسعت ہے۔افسانے میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کو موضوع بناکر کہانی تحریر کی جاسکتی ہے۔

ہر عہد کے اپنے حالات اور مسائل ہوتے ہیں اس لیے موضوعات بھی بدلتے رہتے ہیں۔کچھ ادیب ایسے ہوتے ہیں جو روایت کے ساتھ اس قدر جڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ نئے دور کے تقاضوں اور موضوعات کو جلد اختیار نہیں کرتے لیکن عصری شعور رکھنے والا ادیب نئے عہد کے مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بناتا ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں کو اپنی کہانیوں میں بیان کرتا ہے۔کرشن چندر بھی ان میں سے ایک ہیں۔کرشن چندر مکمل عصری آگہی رکھتے تھے۔اگرچہ ان کے ابتدائی افسانوں میں رومانویت کا عصر زیادہ گہر ا نظر آتا ہے لیکن بعد میں تحریر کیے گئے افسانے حقیقت نگاری کی اعلیٰ مثال ہیں۔انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام کشمیر میں گزارے جس کی وجہ سے ان کے ابتدائی افسانوں میں رومانویت کا عمل دخل زیادہ ہے۔کرشن چندر نے کشمیر میں قیام کے دوران نہ صرف وہاں کے خوبصورت قدرتی مناظر اور زندگی کی رعنائیوں کو موضوع بنایا بلکہ کشمیریوں کے مسائل اور ان پر ہونے والے مظالم کو بھی اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔انہوں نے کشمیر کے مقامی رنگ اور ماحول کو ابھارا اور زندگی کے تضادات کو بڑے فنکارانہ انداز کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اپنے رومانوی افسانوں کے حوالے سے کرشن چندر خود لکھتے ہیں:

> ''میرے بچپن کی حسین ترین یادیں اور جوانی کے بیش قیمت لمحے کشمیر سے وابستہ ہیں ، میں کشمیر میں بہت گھوما ہوں، مہینوں کسانوں کے گھروں میں رہاہوں، ان کے ساتھ رہ کر میں نے عام انسانوں کی خوشیاں اور ان کے غم دیکھے ہیں، ان کی غریبی اور جہالت کو چکھا ہے اور ان کی اوہام پرستی کا بوجھ اٹھایا ہے۔ان کی فراخ دلی اور ہمسائیگی کو محسوس کیا ہے۔''(۲)

کرشن چندر نے مختلف نوعیت کے سیاسی و سماجی مسائل کو اپنے افسانوں میں بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے اور حقیقت نگاری کے باب میں انہوں نے بہت کامیابیاں سمیٹی ہیں۔سماج میں بسنے والے افراد کی ذہنی صلاحیت مختلف ہوتی ہے اس لیے ان کا سوچنے کا انداز اور سماج کو دیکھنے کا زاویہ مختلف ہوتا ہے۔یہ مختلف فکر اور مختلف مزاج رکھنے والے افراد سماج میں اپنا اپنا کردار اپنی ذہنی صلاحیت اور سماجی حیثیت کے مطابق ادا کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ہم جس سماج میں قیام پذیر ہیں اس میں رشتوں کی بے قدری اور بے گانگی بہت حد تک بڑھ گئی ہے۔المیہ تو یہ ہے کہ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے والے افراد ایک دوسرے سے لا تعلق رہتے ہیں۔ایک فرد جس سے اپنے خونی رشتے کنارہ کشی اختیار کر لیں تو دوسرے لوگ بھی اس سے گریز برتنے لگتے ہیں۔خاص طور پر اگر کوئی بزرگ شخص بیمار ہو جائے تو وہ نہ صرف اپنے خاندان بلکہ سماج پر بھی بوجھ بن جاتا ہے اور اس کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو خود اپنی ذات پر جھیلتا ہے۔

مقتدر طبقات اور حکمران ہمیشہ عوام کو اپنے کھوکھلے نعروں سے لبھاتے اور ان کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں لیکن عوام سے کیے گئے وعدے ان کو یاد نہیں رہتے۔ہمارے ہاں اسی طرح کا طرزِ حکومت برسوں سے چلا آ رہا ہے۔صحت، تعلیم اور روزگار ہر انسان کا بنیادی حق ہے جس کی حمایت میں سیاست دان بہت شور مچاتے ہیں، منشور پیش کرتے ہیں لیکن یہ سب کچھ الیکشن سے قبل ہوتا ہے۔اگر وہ الیکشن جیت کر اقتدار حاصل کر لیں تو ان کی سب سے پہلی کوشش اس اقتدار کو قائم رکھنے اور طول دینے کی ہوتی ہے۔ان کے نزدیک عوام کی حیثیت اور اہمیت محض بھیڑ بکریوں کی سی ہے۔

جنہیں وہ اپنی مرضی سے جدھر چاہیں ہانک کر لے جائیں۔اس صورتحال کے پیدا کرنے میں صرف سیاستدانوں اور حکمرانوں کا کردار ہی نہیں ہے بلکہ عوام بھی اس میں برابر کی شریک ہے جو کبھی اپنے حقوق کے لیے آواز بلند نہیں کرتی اور زندگی جس طرح گزرتی ہے گزار دیتی ہے۔کرشن چندر نے سماج اور حکومت دونوں کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے اس حوالے سے ان کا افسانہ ''کچرا بابا بے حد اہم ہے جس کا مرکزی کردار کچرے کے ڈھیر سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے اور اکثر اوقات اسے کچرے سے بھی کچھ کھانے کو نہیں ملتا۔

ناقص اور متعفن غذا کھانے اور بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل ہوتا ہے تو لواحقین کے نہ آنے کی وجہ سے ہسپتال کا ڈاکٹر بھی اس سے تنگ آجاتا ہے اور اسے ہسپتال سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> ''یہ ٹانک پیو اور مقوی غذا کھاؤ بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔اب ہسپتال میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر مجھ سے چلا نہیں جاتا ڈاکٹر صاحب۔''اس نے کمزور آواز میں احتجاج کیا۔ڈاکٹر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''گھر جاؤ ، چند دن بیوی خدمت کرے گی ، بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''(۳)

یہ ہمارے سماج کی بہت تلخ حقیقت ہے کہ بزرگ شہریوں کے حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔جب تک ان میں کام کاج کرنے کی سکت ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو کھینچتے ہیں لیکن جب ان کی سکت ختم ہو جاتی ہے تو انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔کرشن چندر نے بڑی دکھی دل کے ساتھ کچرا بابا کی کہانی کے ذریعے سماج کے اس المیہ کی نشاندہی کی ہے۔

بر صغیر پاک و ہند میں بیرونی حملہ آوروں کی مسلسل یلغار سے یہ خطہ محکومی اور محرومی کا شکار رہا ہے۔یہاں کے باسیوں کی مزاحمت کے باوجود حملہ آوروں نے انہیں اپنا محکوم اور غلام بنایا اور مفتوحین پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کیں۔انہیں سیاست، معاشرت، تعلیم ، دولت اور عزت سے محروم کر دیا گیا اور جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔یہ احساس محرومی ان کی نسلوں میں سفر کرتا رہا اور آج بھی اس کا سفر جاری ہے۔یہاں کے باشندوں کو اپنی عزت نفس کو تج کر چھوٹے موٹے اور معیوب کام کرنے پڑے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

جس سے ان کا احساسِ محرومی اور پختہ ہو گیا اور انہوں نے روشن مستقبل کی امید تک چھوڑ دی۔اس کے علاوہ ہندوستان میں چھوٹی اور بڑی ذات کے ہندوؤں کے مابین جو ذات پات اور چھوت اچھوت کا نظام رائج ہے ، اس کی بدولت بھی بہت سارے ایسے مسائل پیدا ہوئے جو انسانیت کی تذلیل کی سب سے بڑی وجہ بنے۔چھوٹی ذات کے ہندوؤں کی زندگی جانوروں سے بھی بد تر ہے۔ان سے گلیوں اور نالیوں کی صفائی کا کام لیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ بد سلو کی روا رکھی جاتی ہے۔

ذات پات کا یہ نظام ہندوستانی سماج میں اس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے کہ اس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔وہ جس چھوٹے موٹے پیشے سے وابستہ ہوتے ہیں ، ان کی آنے والی نسلیں بھی اسی پیشے کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔ان کی زندگی میں کسی قسم کی امید ، ترنگ، جوش و ولولہ اور خوشی نہیں ہے۔وہ اسی بے رنگ اور بے کیف زندگی کا بوجھ اٹھائے روز و شب گزارتے ہیں۔وہ کبھی بھی زندگی کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس راستے پر انہیں زندگی لے کر جاتی ہے وہ اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں۔اس تمام تر صور تحال کی عکاسی کرشن چندر نے اپنے افسانے مکالو بھنگی '' میں بڑی عمدگی کے ساتھ کی ہے۔کالو بھنگی کے کردار کے ذریعے انہوں نے چھوٹی ذات کے ہندوؤں کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔یہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ تو سماج میں کوئی اہمیت حاصل ہے اور نہ ہی ان کو ادب میں جگہ ملتی ہے۔ان کی دکھ بھری زندگی کو موضوع بنا کر کرشن چندر نے ایک نمایاں کام کیا ہے۔کالو بھنگی جو ساری زندگی دوسروں کی گندگی صاف کرتا رہتا ہے جب اس کا آخری وقت آتا ہے تو یہ سماج اس کے ساتھ کیسار و یہ اختیار کرتا ہے، کرشن چندر نے اپنے افسانے میں اسے یوں بیان کیا ہے:

> ''وہ جو کبھی بیار نہیں ہوا تھا اچانک ایسا بیار پڑا کہ پھر کبھی بستر علالت سے نہ اٹھا، اسے ہسپتال میں مریض رکھوا دیا گیا تھا۔وہ الگ وارڈ میں رہتا تھا۔کمپونڈر دور سے اس کے حلق میں دوا انڈیل دیتا اور ایک چپراسی اس کے لیے کھانا رکھ آتا۔وہ اپنے بر تن خود صاف کرتا، اپنا بول و براز خود صاف کرتا اور جب وہ مر گیا تو اس کی لاش کو پولیس والوں نے ٹھکانے لگادیا کیونکہ اس کا کوئی وارث نہ تھا۔''(۴)

کرشن چندر ایسے افسانہ نگار ہیں جن کا سماجی شعور بہت گہرا اور تیز ہے۔انہوں نے بڑی باریک بینی کے ساتھ سماج کا مشاہدہ کیا ہے اور ان حقائق کو اپنے افسانوں کے ذریعے سامنے لائے ہیں جن سے عام طور پر صرف نظر کیا جاتا ہے۔وہ انسان اور سماج کے مابین ایک گہرے تعلق اور جڑت کے خواہاں ہیں۔کسی بھی سماج کے قیام کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے دکھوں اور خوشیوں میں شریک ہوں۔اگر سماج میں کوئی منفی رویہ یا برائی سر اٹھا رہی ہے تو اس کو ختم کرنے کے لیے ہر فرد اپنا اپنا کر دار ادا کرے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سماج میں بسنے والوں کے درمیان بیگانگی اور دوری روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے جس کے باعث بے حسی کے جذبات جنم لے رہے ہیں۔

ہر فرد جب اپنا مفاد پیش نظر رکھے گا تو معاشرے میں بے چینی اور انتشار بڑھے گا۔کرشن چندر نے سماج کی بے حسی کو اپنے افسانے ''آن داتا'' میں قحط بنگال کے پس منظر میں بیان کیا ہے۔بنگال جو کہ ایک خوشحال اور قدرت کے خزانوں سے مالامال خطہ تھا۔جب وہاں قحط پڑا تو لوگ بھوک سے مرنے لگے اور ہر طرف سڑکوں پر لاشوں کے ڈھیر لگ گئے لیکن ہندوستان کے دیگر خطوں میں بسنے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

والے لوگوں پر اس کا کچھ زیادہ اثر نہ پڑا اور وہ اپنی روز مرہ زندگی میں مصروف رہے۔یہ ایک ایسا المیہ ہے جو انسان کے ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے شرط یہ ہے کہ انسان کا ضمیر زندہ ہو۔کرشن چندر کے افسانے ''آن داتا، میں سماج کی بے حسی کو عیاں کرتا ہوا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''صبح ناشتے پر جب اس نے اخبار کھولا تو اس نے بنگال کے فاقہ کشوں کی تصاویر دیکھیں جو سڑکوں پر ، درختوں کے نیچے، گلیوں میں، کھیتوں میں، بازاروں میں، گھروں میں ہزاروں کی تعداد میں مر رہے تھے۔آملیٹ کھاتے کھاتے اس نے سوچا کہ ان غریبوں کی امداد کس طرح ممکن ہے۔یہ غریب جو امید کی منزل سے آگے جاچکے ہیں اور موت کی بحرانی کیفیت سے ہمکنار ہیں انہیں زندگی کی طرف واپس لانا، زندگی کی صعوبتوں سے دوبارہ آشنا کر نا، ان سے ہمدردی نہیں دشمنی ہو گی۔اس نے جلدی میں اخبار کا ورق الٹا اور توس پر مربہ لگا کر کھانے لگا۔'' (۵)

ترقی پسند تحریک کے قیام کے بعد ہندوستان کے بڑے بڑے افسانہ نگاروں، ناول نگاروں، شاعروں اور ناقدین نے اپنی تحریروں میں زندگی اور اس کے مسائل کو موضوع بنانا شروع کیا اور یوں ۱۹۴۰ء کے بعد یہ ہندوستان کی سب سے بڑی منظم ادبی تنظیم بن گئی۔ عوامی مقبولیت حاصل کرنے میں ترقی پسند شعراء نے بہت اہم کردار ادا کیا جو مشاعروں اور دیگر عوامی اجتماعات میں اپنی شاعری سناتے اور لوگوں کی توجہ حاصل کرتے۔انجمن ترقی پسند تحریک کی شاخیں مختلف صوبوں میں قائم ہو گئیں اور نوجوان شاعر اور ادیب اس میں شمولیت اختیار کرنے لگے جن میں فیض احمد فیض، بیدی، احمد ندیم قاسمی، اوپندر ناتھ اشک، مخمور جالندھری، ظہیر کاشمیری اور کرشن چندر کے نام نمایاں ہیں۔اس تحریک میں شمولیت کے بعد کرشن چندر کی تحریروں میں سماجی حقیقت نگاری کا عنصر واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

انہوں نے جبر و استبداد اور استحصال کے خلاف اور مزدوروں، کسانوں اور سماج کے عام لوگوں کے حق میں اپنی آواز بلند کی۔ان کے افسانوں میں سیاسی، سماجی اور طبقاتی کشمکش کو بڑی عمدگی سے موضوع بنایا گیا ہے۔

کرشن چندر طبقاتی تفریق کے سخت مخالف تھے۔ان کو احساس تھا کہ کوئی بھی معاشرہ امتیازات کے ساتھ کبھی ترقی نہیں کر سکتا اس لیے ہمیں اس نظام کو تبدیل کرنے اور ایسا نظام زندگی وضع کرنے کی ضرورت ہے جس میں تمام انسانوں کو برابری کے حقوق حاصل ہوں لیکن برصغیر کا سماج مختلف سطحوں پر اس طبقاتی تفریق کے نظام میں جکڑا ہوا تھا۔یہاں پر بسنے والے حکمران، جاگیر دار ، وڈیرے، سرکاری افسر اور اثر رسوخ رکھنے والے دیگر افراد اپنے سے کم تر اور غریب لوگوں کا قدم قدم پر استحصال کرتے۔انگریز جب بر صغیر کے حکمران بنے تو یہاں کے عام آدمی کی زندگی اور زیادہ مشکلات میں گھر کر رہ گئی۔

اس کو طرح طرح کے مظالم اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔گورے خود کو افضل اور یہاں کے باسیوں کو کم تر سمجھتے اور ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے۔عام آدمی ان کے سامنے سر جھکائے رکھتا اور ان گوروں سے کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا، وہ جو چاہتے عام

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ہندوستانی کے ساتھ سلوک روا رکھتے۔اسی طرح کی کیفیت کرشن چندر کے افسانے ''دو فرلانگ لمبی سڑک میں نظر آتی ہے۔ افسانے سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جس میں مقامی عام آدمی کے ساتھ ایک گورے کے سلوک کو دکھایا گیا ہے:

''تانگے والا تانگے کو سرپٹ دوڑائے جارہا ہے۔راستے میں ایک گورہ رہا ہے۔سر پر ٹیڑھی ٹوپی ، ہاتھ میں بید کی چھڑی، رخساروں پر پسینہ ،

لبوں پر کسی ڈانس کا سُر۔

کھڑا کر دو، کنٹونمنٹ۔

آٹھ آنے صاب۔

ول، چھ آنے۔

نہیں صاب۔

کیا بکتا ہے تم۔۔۔۔

تانگے والے کو مارتے مارتے بید کی چھڑی ٹوٹ جاتی ہے، پھر تانگے والے کا چمڑے کا ہنٹر کام آتا ہے۔لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں ، پولیس کا سپاہی بھی پہنچ گیا ہے۔حرام زادے ! صاحب بہادر سے معافی مانگو۔تانگے والا اپنی میلی پگڑی کے گوشے سے آنسو پونچھ رہا ہے۔ لوگ منتشر ہو جاتے ہیں۔'' (٦)

کرشن چندر کا انسان دوستی کا جذبہ عروج پر نظر آتا ہے۔وہ صرف ایک افسانہ نگار ہی نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے پرچارک کے طور پر سامنے آتے ہیں اور انہوں نے اپنی اس سوچ اور فکر کا بار بار اظہار اپنی کہانیوں میں کیا ہے۔انہوں نے اپنی کہانیوں کو نہ تو محض تفریح طبع کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے ہاتھ کا کھلونا بنے دیابلکہ انہوں نے اپنے فن کو مظلوموں، کمزوروں، بے کسوں، مفلسوں، لا چاروں اور ناداروں کی حمایت میں استعمال کیا ہے۔وہ ان امرا کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں جو چند پیسوں کے عوض گھر میں کام کرنے والوں کی آزادی صاب کر لیتے ہیں۔وہ اپنے سارے خواب، خوشیاں اور آزادی محض چند روپوں کی خاطر گروی رکھ دیتے ہیں۔وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ان امراء کے احسانوں تلے یوں دب جاتے ہیں کہ ان کو اپنی خوشیوں، اپنی زندگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔کرشن چندر نے اپنے افسانے ''بالکونی میں ایسی ہی ایک صور تحال کی عکاسی عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ افسانے سے یہ اقتباس دیکھیے :

''عبد اللہ آج کیوں مرا؟ ایسی خوبصورت چاندنی رات میں۔۔۔عبد اللہ آج سے چند سال بعد نہ مر سکتا تھا۔شاید اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر اس کے تخیل کے سپنے سچے کر دیتا۔یعنی یہ کون سا طریقہ ہے مرنے کا کہ صاحب لوگوں کے لیے پانی کی بالٹیاں بھرتے بھرتے مر

گیا۔کیا وہ اپنے کھیتوں میں، اپنے چھوٹے سے باغیچے میں، اپنے مٹی کے گھر میں نہ مر سکتا تھا۔میں پوچھتا ہوں یہ کیسا مذاق ہے ؟ اس طرح مرنے کا کیا حق تھا، وہ اس طرح کیوں فاقے کرتے کرتے ، ایڑیاں رگڑتے رگڑتے ، جھوٹے سپنے دیکھتے مر گیا۔دنیا میں یہ لاکھوں کروڑوں عبد اللہ شب و روز اسی طرح کیوں مرتے ہیں؟ کیوں جیتے ہیں ؟ کیوں رہتے ہیں؟ یہ کیسا مذاق ہے، کیسا تماشا ہے، کیسی خدائی ہے ؟'' (۷)

درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کرشن چندر کا دل انسانی ہمدری اور عام آدمی کے لیے پُر خلوص جذبات سے لبریز تھا۔وہ ان امیروں پر تنقید کے ساتھ ساتھ پسماندہ اور غریب طبقے کے لوگوں کو بھی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی دوسروں کی غلامی میں نہ گزاریں بلکہ ہمت، محنت اور جہد مسلسل سے حالات کو بدلنے کی کوشش کریں۔طاقتور ہمیشہ غریب کا استحصال اسی لیے کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس نہ علم ہے اور نہ ہی جد وجہد کرنے کا حوصلہ۔لہذا اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچتا کہ وہ غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے اور اپنی زندگی دوسروں کی مرضی کے مطابق گزارے۔

کرشن چندر کی حیثیت سماج کے نباض کی ہے جو سماج میں ہونے والی معمولی سے معمولی تبدیلی پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔وہ سماجی برائیوں کو جڑ سے ختم کرنے کے خواہاں ہیں۔ان کا سماج سے متعلق فلسفہ یہ ہے کہ اونچ نیچ، جبر، استحصال، سرمایہ داری نظام، سیاسی نظام کی خرابیاں ان سب کو ختم کر کے ایک متوازن سماجی نظام قائم کرنا چاہیے جہاں ہر شخص کو خوش رہنے اور اپنی مرضی سے جیون جینے کا حق ہونا چاہیے۔

وہ درد دل رکھنے والے افسانہ نگار ہیں جو دکھی انسانیت پر ہونے والے مظالم پر دل گرفتہ نظر آتے ہیں۔وہ زندگی سے فرار کا درس نہیں دیتے بلکہ وہ زندگی کو زندگی بنانے پر یقین رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کرشن چندر کے ہاں حقیقت نگاری، بغاوتی رجحان اور تنقیدی رویہ نظر آتا ہے جو ان کے انقلابی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے سماجی شعور کے حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

''کرشن چندر کی حقیقت پسندی اور رومانیت دونوں انقلابی شعور سے زیادہ احتجاجی اور عقلی احساس و فکر کاذریعہ اظہار ہیں۔مارکسزم نے انہیں انسانی سماج اور اس کے طبقاتی کردار کا جو عرفان بخشا تھا اور اس کے نتیجے میں جبر و استحصال کے خلاف محنت کش عوام کی جد وجہد میں ان کی حمایت اور طر فراری کا جو حوصلہ انہیں ملا تھا وہ ان کی شخصیت اور تخلیقی ذہانت کا ایک متحرک حصہ بن چکا تھا۔ایک دانشور اور ایک ادیب کی حیثیت سے ان کی شناخت کا سب سے نمایاں نشان یہی تھا۔''(۸)

ایک باشعور قاری اس حقیقت سے آشنا ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی جبر و استبداد، غلامی، ظلم و تشدد اور نفرت کی بجلیاں کڑکیں کرشن چندر نے ان المیوں پر خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ ان کو اپنے قلم کے ذریعے عام قارئین تک پہنچایا۔قحط، افلاس، بھوک، زر پرستوں اور سرمایہ داروں کی اجارہ داری ہو یا مذہب کے نام پر قتل و غارت، کرشن چندر نے ان تمام موضوعات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی اور بڑے موثر انداز میں پڑھنے والوں تک پہنچایا۔آج کا انسان اس طبقاتی تفریق اور سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیوں میں پس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

کر رہ گیا ہے۔وہ ملوں اور فیکٹریوں میں اپنا لہو بیچتا ہے ، مذہب اور قوم کے نام پر ہونے والے دنگوں اور جنگوں میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور بعض اوقات بیماری، بھوک، قحط اور وباؤں کے باعث زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔یہی انسان کرشن چندر کے افسانوں میں ہمیں نظر آتا ہے۔اس کی زندگی کے دکھوں اور تکلیفوں کا اظہار کرشن چندر اپنے افسانوں میں کرتے ہیں۔

سماج میں بڑھتی ہوئی غربت اور بے روزگاری کی وجہ سے بہت سے لوگ بھیک مانگنے لگ جاتے ہیں۔ان کا یہ بھیک مانگنے کا عمل تو معیوب ہے ہی لیکن اس کے پیچھے سرمایہ دارانہ نظام کا دولت پر قابض ہونا اور حکمرانوں کی سفا کی ہے جو اپنے فرائض کی انجام دہی سے غافل اقتدار کے نشے میں بدمست رہتے ہیں۔کرشن چندر نے سماج کے اس پہلو کی طرف بھی قارئین کی توجہ دلائی ہے۔ان کے افسانہ '' نکڑ '' اسی پہلو کو موضوع بناتا ہے۔کرشن چندر نے جہاں بھیک مانگنے والوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں کی تصویر کشی کی ہے وہیں سماج کے ایسے کرداروں کے چہروں سے بھی نقاب کھینچا ہے جو محض بھیک میں چند سکے دے کر بھکاریوں پر احسان جتلاتے اور اس کو اپنی روح کی تسکین کا باعث سمجھتے ہیں۔اس ضمن میں درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> ''میں ہر روز اسے دیکھتا ہوں، یہ بھی ہر روز مجھے دیکھتی ہے۔میں بھی اس شہر کا باشندہ ہوں، اس کا مالک ہوں اسے بھیک دیتا ہوں۔اسے گالیاں دیتا ہوں، اس پر رحم کھاتا ہوں، مری خوشی کے لیے، مرے سکونِ قلب کے لیے یہ کس قدر ضروری ہے۔اگر یہ بھکارن نہ ہو تو میں کس پر رحم کھاؤں، کسے ایک پیسہ دے کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دوں۔کس سے ہمدردی جتا کر اپنی برتری کا سکہ جماؤں، کس کے درد کی دوا کر کے اپنی عاقبت سدھاروں۔اس کا افلاس، اس کی بے چارگی، اس کی زبوں حالی، اس کا فٹ پاتھ پر جاگنا، بیٹھنا، سونا، بات پھیلا کر بین کرنا میری مسرت کے لیے ، میری زندگی کے لیے کس قدر ضروری ہے۔آہ ! خداوند میں تیر اکس طرح شکر ادا کروں۔تو اپنے بندوں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔''(۹)

درج بالا اقتباس ہمارے سماج کے عمومی رویے کی بھر پور عکاسی کرتا ہے۔سماج میں ایسے کم ظرف لوگوں کی ہر گز کمی نہیں ہے جو ان دکھی اور مظلوم لوگوں پر رعب جمانے اور سماج کی نظروں میں معتبر بننے کے لیے ایسے گھٹیا اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کا ایک نہیں بلکہ کئی چہرے ہوتے ہیں جن سے وہ سماج کے سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔کرشن چندر نے بڑی عمدگی سے ایسے لوگوں کے چہروں سے نقاب اتار کر ان کی اصلیت کو قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔کرشن چندر کے افسانوی موضوعات میں بے پناہ تنوع موجود ہے۔انہوں نے زندگی کے کسی بھی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا۔ان کا یہ افسانہ انسانی اور انسانی سماج کی مکمل اور بھر پور عکاسی کرتا ہے۔

کرشن چندر نے نہ صرف ہندوستانی سماج اور اس کے مسائل پر قلم اٹھایا بلکہ عالمی مسائل کو بھی اپنے افسانوں میں موضوع بنایا ہے۔ان کا مطمع نظر ہمیشہ دولت پر قابض سرمایہ داروں، جابر حکمرانوں، ظالموں اور ریاکاروں کے خلاف اور سماج کے پسماندہ طبقے کے حق میں اپنی آواز بلند کر نا رہا۔کرشن چندر نے اپنے افسانوں '' بارود اور چیری کے پھول''، ''انجیر ''، ''سب سے بڑا گناہ '' اور ''امریکی سپاہ کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

نام خط میں عالمی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔عورت کو ہمارے سماج میں بہت کم تر مخلوق سمجھا جاتا ہے۔اس کی زندگی دکھوں اور مصیبتوں سے عبارت ہے۔

عورت جس روپ میں بھی ہو وہ تکلیف دہ زندگی گزارتی ہے۔اس کے لیے محبت کرنا، محبت کی شادی کرنا اور اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزار ناناممکن ہے۔اس کا رشتہ کسی بھی ایسے شخص کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جس سے نہ اس کی ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اسے دل سے قبول کر پاتی ہے۔کرشن چندر کے ہاں بھی عورت اور اس کی محبت کا موضوع بڑے منفرد انداز میں زیر بحث آیا ہے۔انہوں نے اپنے افسانے ''اندھا چھترپتی'' میں چھترپتی اور مکھنی کی محبت کو موضوع بنایا ہے۔وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے لیکن لکھنی کالا چی باپ جائیداد کے لالچ میں اس کی شادی گاؤں کے ادھیڑ عمر نمبر دار سے کر دیتا ہے جس کی یہ تیسری شادی تھی۔ اس المیے کو کرشن چندر نے افسانے میں یوں بیان کیا ہے، اقتباس دیکھئے:

> ''وہ گاؤں کا نمبر دار تھا اور گاؤں میں پٹواری کے بعد سب سے امیر۔خود پٹواری اس کی بات بہت کم ٹالتا تھا اور پھر مکنی کے باپ کو روپوں کی سخت ضرورت تھی، وہ دھان کے لیے آبی زمین کے دو قطعے اور خرید نا چاہتا تھا۔لکھنی حسین تھی اس لیے پک گئی ، سرمایہ پرستوں کی دنیا میں ہر چیز منافع پر بکتی ہے۔منافع اور مقابلہ ، جو زیادہ دام دے وہ خرید لے۔مکنی کے باپ نے اسے دودھان کے کھیتوں کے عوض بیچ ڈالا۔''(۱۰)

کرشن چندر نے طبقاتی تفریق کو عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔۔ان کا افسانہ ''قبر'' بھی طبقاتی تفریق اور بے جوڑ شادیوں کو موضوع بناتا ہے۔''قبر'' کے مرکزی کردار کنہیا لال اور رکمن ہیں جو ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے ہیں لیکن کنہیا لال کے بنیا اور رکمن کے برہمن ہونے کی وجہ سے طبقاتی فرق آڑے آجاتا ہے اور سماج ان دونوں کو ایک نہیں ہونے دیتا جس سے ان دونوں کی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔افسانے ''قبر میں اس طبقاتی تفریق کو کرشن چندر نے یوں واضح کیا ہے:

> ''میر اعقیدہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ معاشرت میں عورت کو باعزت طریق پر حاصل کر نا نا ممکن ہے۔یہاں شادیاں ہوتی ہیں لیکن محبت نہیں ہوتی۔ہمارے ماں باپ ہمیں سب کچھ معاف کر سکتے ہیں لیکن محبت نہیں۔ہمارے سب عیوب چھپا سکتے ہیں قتل، چوری، ڈاکہ ، بد دیانتی لیکن وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی ان کی مرضی کے خلاف کسی لڑکی سے محبت کرنے کی جرأت کرے، نتیجہ ؟ نتیجہ ؟ تم کہو گے، نتیجہ صاف ظاہر ہے۔رکمن براہمنی تھی اسے ایک پچاس سال کا بوڑھا لیکن امیر براہمن بیاہ کرلے گیا۔میں بنیا تھا میرے پہلے ایک چڑ چڑی گھگیا بھگیا کر باتیں کرنے والی بنیا ئین باندھ دی گئی۔''(۱۱)

ان کے نزدیک قومی تحریک ، قومی آزادی اور جمہوریت ہندوستان کے سماج کے لیے اتنی ہی ضروری ہیں جتنی انسان کو زندہ رہنے کے لیے غذا اور آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔کرشن چندر کے افسانوں میں انقلابی حقیقت پسندی کی بھی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ہندوستان

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

کی تقسیم سے قبل وہاں کے عوام کو ایک بحرانی دور کا سامنا تھا۔غلامی کی جو زنجیریں ان کے گلے میں ڈالی گئی تھیں ، ان کے ہوتے ہوئے مستقبل کے روشن اور سہانے خواب دیکھنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن ایسے انتشار کے دور میں بھی کرشن چندر نے کبھی اشاروں کنایوں اور کبھی کھل کر سامراجیت کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔

انہوں نے ہندوستان کے عوام میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ غلامی کی ان زنجیروں سے نجات حاصل کریں اور آپس میں اتحاد ، یگانگت، محبت اور بھائی چارے کو فروغ دیں تاکہ انگریز ان کی نااتفاقی اور آپس کی لڑائیوں کا فائدہ نہ اٹھائیں۔ان تمام کاوشوں کے باوجود ہندوستان کے باسی انگریزوں کے " تقسیم کرو اور حکمرانی کرو" کے اصول کو نہ سمجھ سکے اور آپس میں مختلف سطحوں پر تقسیم در تقسیم ہوتے گئے۔مقامی طاقتور لوگ انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنے مفادات کا تحفظ کرنے لگے اور عام اور کمزور لوگوں اور آزادی کی جد وجہد کرنے والے انقلابی افراد کے خلاف انگریزوں کی معاونت کرنے لگے۔اس کے بدلے میں انہیں بے شمار دولت سے بھی نوازا گیا۔جب ہندوستان میں بغاوت کا آغاز ہوا تو ہندوستانی لیڈروں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر اس بغاوت کو کچلا جس کے نتیجے میں کئی بے گناہ لوگ اپنی جانوں سے گئے۔

انقلاب کے حامیوں اور آزادی کی جد وجہد کرنے والوں کو غنڈوں کا نام دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔کرشن چندر کا افسانہ "تین غنڈے" اسی واقعے کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔اپنے اس افسانے میں انہوں نے تین غنڈوں عبد الصمد جو کہ ایک مزدور ہے اور پریس میں کام کرتا ہے ، نتاشا نو دس سال کی گجراتی لڑکی اور پنجاب کے رہنے والے ایک سکھ کی کہانی بیان کی ہے جنہیں غنڈے کہہ کر مار دیا گیا۔حالانکہ یہ غنڈے نہیں تھے بلکہ ملک کی خاطر جان دینے والے عظیم لوگ تھے۔کرشن چندر آزادی کے ان متوالوں کی موت پر افسردہ دکھائی دیتے ہیں ، وہ لکھتے ہیں:

> "اس طرح یہ تینوں غنڈے مر گئے لیکن یہ سب کچھ فساد کے دنوں میں ہوا۔لیکن اب وہ ہنگامہ ختم ہو چکا ہے، اب چاروں طرف سکون ہے، امن و امان ہے۔غنڈے مر چکے ہیں یا گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیے گئے ہیں اور اب شہر میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ہسپتال کے وارڈ زخمیوں اور لاشوں سے پٹے ہوئے ہیں۔اب چین ہی چین ہے، اب کالی رات ہے، خاموشی ہے۔" (۱۲)

تقسیم ہند کے بعد جنم لینے والے فسادات کو ہر افسانہ نگار نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔جب بر صغیر کی تقسیم ہوئی اور دو ملک ہندوستان اور پاکستان وجود میں آئے تو فسادات کی ایسی لہر چلی جس نے دونوں اطراف کے لوگوں کو خون میں نہلا کر رکھ دیا۔مذہب کے نام پر انسانیت کے قتل کی ایسی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔کوئی بھی حساس دل رکھنے والا افسانہ نگار اس سانحے سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔یہ ایک ہیجانی دور تھا جس میں ہر چیز تہ و بالا ہو چکی تھی۔لاکھوں لوگ ہجرت کے المیے سے دو چار ہوئے اور اپنے گھر بار چھوڑ کر ان دیکھے دیس میں جا بسے۔تقسیم کے اس عمل کے دوران لوٹ مار ، قتل و غارت، عصمت دری، بربریت اور حیوانیت کی ایسی ایسی نظیریں سامنے آئیں جنہوں نے انسانیت کو لرزا کر رکھ دیا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

ہندوستان سے جب قافلے پاکستان کی طرف روانہ ہوتے تو راستے ہی میں ان کا مال و اسباب لوٹ لیا جاتا اور لوگوں کو قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح پاکستان سے ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا۔کچھ خوش قسمت لوگ ہی اپنی منزل پر پہنچنے میں کامیاب ہو پاتے۔کرشن چندر نے اس المیے سے متاثر ہو کر ایک افسانوی مجموعہ ''ہم وحشی ہیں'' لکھا جس میں شامل افسانوں میں تقسیم کے بعد ہونے والی بربادی اور فسادات کو موضوع بنایا گیا ہے۔کرشن چندر کے اس افسانوی مجموعے کے دیباچے میں علی سرداران افسانوں سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''آج چالیس کروڑ انسانوں کی آواز میں آرہی ہیں اور انہی کے ساتھ ادیبوں اور شاعروں کی بھی آوازیں آرہی ہیں جن میں کرشن چندر کی آواز سب سے زیادہ بلند ہے۔''(۱۳)

کرشن چندر نے فسادات کے موضوع پر جتنے بھی افسانے تحریر کیے ان میں ان کی غیر جانبداری نظر آتی ہے۔انہوں نے یہ افسانے تحریر کرتے ہوئے حقائق کو سامنے رکھا۔اس کے لیے انہیں ان مقامات پر بھی جا کر مشاہدہ کر نا پڑا جہاں دل دہلا دینے والے یہ واقعات رونما ہوئے تھے۔کرشن چندر اس بات پر حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک طویل عرصہ اکٹھے رہنے والے ہند و اور مسلم کس طرح اچانک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے۔کئی کئی نسلوں سے ایک دوسرے کی ہمسائیگی میں زندگی گزار نے والوں نے ایک دوسرے پر تلواریں سونت لیں اور ایک دوسرے کے گھر جلا دیے۔فسادات میں یہ لوگ اتنے اندھے ہو گئے کہ ان کے دلوں میں رحم اور محبت کے جذبات شقاوت اور نفرت سے تبدیل ہو گئے۔یہ نفرت اس قدر بڑھی کہ بعض جرائم پیشہ لوگ جو خود نہیں مار سکتے تھے انہوں نے پیسے دے کر انسانوں کو قتل کروانا شروع کر دیا۔ایک انسان کے قتل کی قیمت محض پچاس روپے مقرر ہوئی۔ کرشن چندر کے افسانے ''لال باغ '' سے ایک اقتباس دیکھئے:

> ''شنکر نے ملا کر کے کان میں کہا۔''رات چار مسلے گرائے۔'' کملا کرنے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔''شاباش''۔پھر رک کر کہا۔''کون کون وہ ابھی ان کی لاش اٹھوائی نہیں۔چلیے دکھاتا ہوں۔'' وکٹوریہ مل کے ادھر ایک تنگ گلی میں جہاں کارپوریشن کے بھنگی غلاظت جمع کر کے رکھتے ہیں وہاں ایک لڑکے کی لاش پڑی تھی۔نیم برہنہ ، کرتا پھٹا ہوا، آنتیں باہر نکلی ہوئیں۔بات میں تیل کی شیشی۔شاید گھر سے ماں نے بازار بھیجا تھا کہ سالن میں کڑی لگانے کے لیے تیل لے آئے۔
>
> کیسے پہچانا؟''
>
> شنکر نے اشارے سے کہا: ''خطنے سے۔''
>
> شاباش ! '' کملا کر نے کہا۔
>
> یہ تیل کی شیشی لے لو کسی غریب ہندو کے کام آجائے گی۔''(۱۴)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

درج بالا اقتباس سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کس قدر نفرت اور عداوت تھی۔ان فسادات میں بے شمار بے گناہ لوگ اپنی جانوں سے گئے جن کا تقسیم کے اس سیاسی عمل سے کوئی لینا دینا بھی نہیں تھا۔وہ بس اپنی زندگی امن و امان اور سکون سے گزار نا چاہتے تھے۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب کسی ملک میں بدامنی پھیل جائے اور دنگا فساد شروع ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔وہ اس کی آڑ لے کر اپنے قبیح کار و بار کو فروغ دیتے ہیں اور ان کی چاندی ہو جاتی ہے۔کملا کر بھی ایسے ہی ایک ناجائز کاروبار سے منسلک ہے اور جب انتشار پھیلتا ہے تو اس کے لیے شراب اور لڑکیوں کی سپلائی آسان ہو جاتی ہے کیونکہ پولیس کی ساری توجہ فسادات کو کنٹرول کرنے پر ہوتی ہے اس لیے ان کا دھیان ان کی طرف نہیں جاتا۔

اس لیے کملا کر اور اس جیسے اور لوگ یہی خواہش رکھتے ہیں کہ ملک میں امن و امان نہ ہوتا کہ ان کا کار و بار چلتا رہے۔ان کی نظر میں انسانی زندگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ تو پہلے ہی نشے کا عادی بنا کر انسانی زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہوتے ہیں۔ کملا کر اور اس جیسے مفاد پر ست کردار ہمارے سماج کا ناسور ہیں جو انسانیت کی توہین کرتے ہیں۔ کرشن چندر نے اپنے ایک اور افسانے ''امر تسر آزادی سے پہلے '' میں تقسیم سے قبل امر تسر کے حالات کو دکھایا ہے جب ہندو و مسلم دونوں میں بھائی چارہ تھا اور دونوں قومیں آپس میں محبت اور امن کے ساتھ زندگی گزار رہی تھیں۔اس افسانے کے دو مرکزی کردار صدیق اور اوم پرکاش ہیں جو محبت اور اخوت کی لازوال مثال بن جاتے ہیں۔جلیا نوالہ باغ میں جلسے کے دوران جب گولیاں چلتی ہیں تو اوم پر کاش گولی لگنے سے نیچے گر جاتا ہے اور صدیق اس کی جان بچانے کے لیے خود کو اس کے اوپر گرا دیتا ہے جس کی وجہ سے ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگ جاتی ہے۔اوم پرکاش جان کی بازی ہار جاتا ہے لیکن صدیق اس کی ہیرے کی انگوٹھی اور اس کی جیب میں موجود دو ہزار روپے لوٹنے کی بجائے اس کی لاش کو گھر تک لے آتا ہے۔اسی طرح کرشن چندر کا افسانہ ''امر تسر آزادی کے بعد '' میں آزادی کے بعد کی صور تحال کو پیش کیا گیا ہے جو کہ یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔جو لوگ پہلے یہ سوچے ، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں یا ان کی ذات کیا ہے ، ایک دوسرے پر جان وارنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے وہ نفرت میں اندھے ہو کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔تقسیم ہند اور فسادات کے بعد کی صور تحال کو واضح کرتے ہوئے کرشن چند ر لکھتے ہیں:

> ''پندرہ اگست ۱۹۴۷ء عیسوی کو ہندوستان آزاد ہوا۔پاکستان آزاد ہوا۔پندرہ اگست ۱۹۴۷ء عیسوی کو ہندوستان بھر میں جشن آزادی منایا جارہا تھا اور کراچی میں آزاد پاکستان فرحت ناک نعرے بلند ہو رہے تھے پندرہ اگست۔پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور جل رہا تھا اور امر تسر میں ہندو مسلم سکھ عوام فرقہ وارانہ فساد کی ہولناک لپیٹ میں آچکے تھے کیونکہ کسی نے پنجاب کی عوام سے نہیں پوچھا تھا کہ تم الگ رہنا چاہتے ہو یا مل جل کے جیسا تم صدیوں سے رہتے چلے آئے ہو۔'' (۱۵)

فسادات کے نتیجے میں سب سے زیادہ مظالم کا شکار خواتین بنیں۔تقسیم کے بعد ایسی ہزاروں دل خراش داستانیں خواتین کے حوالے سے ملتی ہیں جو ایک باضمیر انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔عورت چاہے ماں کے روپ میں ہو، بیوی ہو یا بیٹی ہو قابل عزت ہوتی ہے لیکن تقسیم کے بعد نفرت کی ایسی آگ بھڑ کی جس نے انسانوں کو جانوروں سے بھی بد تر بنادیا اور انہوں نے مردوں کے ساتھ ساتھ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

عورتوں کا بھی لحاظ نہ کیا۔عور تیں چاہے مسلمان تھیں یا ہندو مذہب سے تعلق رکھتی تھیں سب کے ساتھ یہ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ان کو اغوا کر کے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا یا پھر انہیں کسی طوائف کو بیچ دیا گیا۔

کرشن چندر کا افسانہ '' ایک طوائف کا خط '' اسی صور تحال کو موضوع بناتا ہے۔اس افسانے میں دو کم عمر لڑکیوں بیلا اور بتول کی کہانی بیان کی گئی ہے جنہیں ان کے گھروں سے اغوا کر کے ایک طوائف کو محض پانچ سو اور تین سو میں بیچ دیا جاتا ہے۔وہ طوائف انہیں اپنے پاس پناہ دیتی ہے اور ہر طرح سے ان کی ضرورت کا خیال رکھتی ہے اور پھر جواہر لال نہرو اور قائد اعظم کو خط لکھ کر ان لڑکیوں کو ان کے وارثوں تک پہنچانے کی استدعا کرتی ہے۔بیلا کا تعارف کرواتے ہوئے کرشن چندر لکھتے ہیں:

> ''بیلا اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور جب راولپنڈی میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو تہ تیغ کرناشروع کیا، اس وقت چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی۔یہ بارہ جولائی کا واقعہ ہے۔بیلا اپنے سکول سے پڑھ کے گھر آرہی تھی کہ اس نے اپنے گھر کے سامنے اور دو سرے ہند وؤں کے گھر وں کے سامنے ایک جم غفیر دیکھا۔یہ لوگ مسلح تھے اور گھروں کو آگ لگارہے تھے اور لوگوں کو اور ان کے بچوں کو اور ان کی عورتوں کو گھر سے باہر نکال کر انہیں قتل کر رہے تھے۔''(۱۶)

بتول کا تعلق جالندھر سے تھا اور اس کے ساتھ بھی ہندوؤں کی طرف سے ایسا ہی سلوک کیا گیا۔وہ بھی زیادتی کا نشانہ بننے کے بعد بکتی ہوئی اس طوائف تک پہنچی۔کرشن چندر بتول کا تعارف طوائف کی زبانی یوں کرواتے ہیں:

> ''آن پڑھ بتول۔وہ چند دن ہی ہوئے میرے پاس آئی ہے۔ایک ہند و دلال اسے میرے پاس لایا تھا۔میں نے اسے پانسوروپے میں خرید لیا۔اس سے پہلے وہ کہاں تھی یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ہاں لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے بہت کچھ کہا ہے کہ اگر آپ اسے سن لیں تو شاید پاگل ہو جاویں۔بتول بھی اب نیم پاگل ہے۔اس کے باپ کو جاٹوں نے اس بیدردی سے مارا ہے کہ ہندو تہذیب کے پچھلے چھ ہزار برس کے چھلکے اتر گئے ہیں اور انسانی بربریت اپنے وحشی ننگے روپ میں سب کے سامنے آگئی ہے۔''(۱۷)

کرشن چندر نے اس افسانے میں طوائف کے کردار کو اعتبار بخشا اور معتبر کر دار بنادیا ہے۔جبکہ عام طور پر طوائف کے کردار کو ہمیشہ منفی کردار گردانا گیا ہے۔طوائف ایک حساس دل رکھنے والی عورت ہے جو ان بچیوں پر ہونے والے مظالم پر دل گرفتہ ہے اور دو بڑی شخصیات کو خط لکھنے اور تمام صور تحال بتانے پر مجبور ہو جاتی ہے تاکہ حکمرانوں کو اس بات کا احساس ہو کہ بیلا اور بتول جیسی کتنی ہی معصوم لڑکیاں فسادات کی نذر ہو چکی ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد کرشن چندر کے قلم میں تیزی آگئی اور وہ تسلسل اور روانی کے ساتھ لکھنے لگے۔تقسیم کے بعد ملک کی سیاسی و سماجی صور تحال تبدیل ہو گئی اور نئے سیاسی و سماجی مسائل نے جنم لے لیا جس کے باعث افسانے کے موضوعات میں بھی تبدیلی رونما ہونے لگی۔کرشن چندر نے نہ صرف ہندوستان کے عام آدمی کے مسائل اور پریشانیوں کو موضوع بنایا بلکہ دنیا میں جہاں جہاں بھی جنگ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اور نفرت کے باعث مسائل پیدا ہوئے ان پر بھی خامہ فرسائی کی۔انہوں نے نہ صرف ان مسائل کو اجاگر کیا بلکہ حکمرانوں، سیاست دانوں اور دانشوروں سے جوابات بھی طلب کیے جن سے ان مسائل کو حل کیا جا سکے۔کرشن چندر نے افسانے '' انجیر '' میں سپین کے ایک غریب کسان کی کہانی بیان کی ہے جس کے سات بیٹے سپین کی خانہ جنگی میں مارے جاتے ہیں اور اس کی بیوی کے ساتھ جنسی زیادتی کی جاتی ہے۔

کرشن چندر نے کارخانوں اور فیکٹریوں کے مزدوروں کے حق میں بھی اپنی آواز بلند کی اور ان کے مسائل کو بھی صفحہ قرطاس پر اتارا ہے۔سرمایہ دار ہمیشہ مزدوروں کا استحصال کرتا ہے اور ان کی حق تلفی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا سکتا۔اس صورتحال کو کرشن چندر نے افسانے '' پھول سرخ ہیں'' میں بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔جب مہنگائی بڑھتی ہے اور اناج، کپڑا، کوئلہ اور ضرورت کی ہر چیز بلیک میں فروخت ہونے لگتی ہے تو مزدور مل مالک سے تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ کرتے ہیں تنگ آکر ہڑتال کا اعلان کر دیتے ہیں۔ بجائے یہ کہ ان کی مانگ پوری کی جاتی، مل مالک ان پر گولی چلوا دیتا ہے جس کے نتیجے میں ایک اندھالڑ کا اپنی جان کی بازی ہار جاتا ہے۔سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے سماج کا نچلا طبقہ ہمیشہ استحصال کا شکار رہتا ہے۔ان کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں ان کے اندر دب کر دم توڑ جاتی ہیں۔ مل مزدور کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کرشن چندر لکھتے ہیں:

> ''دوسروں کے لیے خوبصورت کپڑے بنتے بنتے اپنے لیے بھی خوبصورت سپنے بننے لگتے ہیں۔پھر فورمین آکے ہمیں گالی دیتا ہے اور ہمارے سپنے ٹوٹ جاتے ہیں اور خوبصورت کپڑا گانٹھوں میں بند ہوکے چلا جاتا ہے اور ہمارے جسم اور ہمارے خواب ننگے کے ننگے رہ جاتے ہیں۔''(۱۸)

کرشن چندر نے سماجی موضوعات کے ساتھ سیاسی موضوعات کو بھی اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔وہ غربت اور افلاس کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے لیے بمبئی کی پسماندہ اور خستہ بستیوں میں پہنچے اور فٹ پاتھ پر سانس لیتی زندگی کو دیکھا۔انہوں نے غربت کی چکی میں پستے اس پسماندہ طبقے کے مسائل کو اجا گر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اس ضمن میں ان کا افسانہ ''مہا لکشمی کاپل" بہت اہم ہے۔ ہمارے حکمران ہمیشہ اپنے سیاسی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

وہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھ کر غریب اور مظلوم عوام کی قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں۔اگرچہ انہیں عوام کی حالت زار کا مکمل ادراک ہوتا ہے لیکن وہ ان کی حالت کو بہتر بنانے اور انہیں معاشی آسودگی دینے میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے۔ان کا مطمع نظر اقتدار حاصل کرنا اور زندگی کی آسائشوں کے مزے لوٹنا ہوتا ہے۔

''مہا لکشمی کاپل" میں کرشن چندر نے معاشی بوجھ تلے دبی چھ عورتوں کی کہانی بیان کی ہے جو امیروں کے گھروں میں کام کر کے بہت کم پیسوں میں اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتی ہیں۔ان کے پاس پہننے کو ایک ہی ساڑھی ہے جسے وہ بار بار دھو کر پہنتی ہیں۔ان کی زندگی بنیادی ضرورتوں اور خوشیوں سے بالکل عاری ہے۔سرمایہ دارانہ نظام اور حکمرانوں کی نااہلی کی وجہ سے اس طبقے کے لیے دو وقت کی روٹی کا حصول انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔یہ لوگ ملوں اور کار خانوں میں کام کرنے کے باعث ٹی بی کی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن ان کے پاس کھانا تو دور کی بات ہے دوا لینے کے لیے بھی کچھ نہیں ہوتا۔یوں یہ پسماندہ طبقہ سسک سسک کر اپنی جان گنوا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

دیتا ہے اور سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔کرشن چندر نے ''مہا لکشمی کا پل میں اسی صورت حکے مسائل اور ان کے روز مرہ معاملات پر کھل کر لکھا ہے۔جیونا بائی کا شوہر ڈھونڈھو مسلسل مل میں کام کرنے سے ٹی بی کا مریض ہو جاتا ہے اور ۳۵ سال ملازمت کرنے کے باوجو د آخر کار اسے ناکارہ سمجھ کر مل سے نکال دیا جاتا ہے۔کرشن چندر نے اس بات کو اپنے افسانے میں یوں بیان کیا ہے:

> ''ڈھونڈ ھواب مل میں کسی کام کا نہیں رہا تھا۔گو وہ بہت تجربہ کار تھا لیکن اس کے ہاتوں میں اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ وہ جو ان مزدوروں کا مقابلہ کر سکتا بلکہ وہ تو اب دن رات کھانسی میں مبتلا رہنے لگا تھا۔کپاس کے ننھے ننھے ریشے اس کے پھیپھڑوں میں جاکے ایسے دھنس گئے تھے جیسے چرخیوں اور اینٹوں میں سوت کے چھوٹے چھوٹے مہین تا گے پھنس جاتے ہیں۔جب برسات آتی تو یہ ننھے ننھے ریشے اسے دمے میں مبتلا کر دیتے اور جب برسات نہ ہوتی تو وہ دن بھر اور رات بھر کھانستا رہتا۔ایک خشک اور مسلسل کھنکار گھر میں اور کار خانے میں جہاں وہ کام کرتا تھا، سنائی دیتی رہتی۔مل کے مالک نے اس کھانسی کی خطرناک گھنٹی کو سنا اور ڈھونڈھو کو مل سے نکال دیا۔ڈھونڈھو اس کے چھ ماہ بعد مر گیا۔''(۱۹)

درج بالا اقتباس ہمارے سیاسی ڈھانچے اور سرمایہ دارانہ نظام کے منہ پر ایک تمانچہ ہے۔ایک مزدور جو اپنی زندگی کے شب و روز سرمایہ دار کی دولت میں اضافہ کرنے میں گزار دیتا ہے، جب اسے ضرورت پڑتی ہے تو اس کا دکھ بانٹنے والا اور مشکل میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔

کرشن چندر نے ہر قسم کی اخلاقی اور سماجی برائی کو قاری کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنے افسانے ''چوراہے کا کنواں'' میں ان بد کردار اور بد بودار جاگیر داروں کی اصلیت کا پردہ چاک کیا ہے جو معصوم دو شیزاؤں کے ساتھ جنسی زیادتی کرتے ہیں اور جب ان کی کوکھ سے ناجائز بچے جنم ہوتا ہے تو وہ اس معصوم اور بے گناہ بچے کو گاؤں کے کنویں میں پھینک دیتے ہیں۔یہ ایک ایسا احساس موضوع ہے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے لیکن کرشن چندر نے بڑی ہمت اور بے باکی کے ساتھ سماج کی اس تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے۔رشوت خوری ہمارے سماج کا ایک اور اہم مسئلہ ہے جس کی طرف کرشن چندر نے اپنے افسانے ''بھولا '' میں توجہ دلائی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس سماج میں عزت اور ایمان داری سے زندگی بسر کرنا بہت دشوار ہے۔جب ایک پولیس اہلکار رشوت لیتا ہے تو اس سے سماج میں بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔چور، ڈاکو اور ناجائز کام کرنے والے لوگ رشوت دے کر قانون سے بچ جاتے ہیں جبکہ شریف اور ایماندار آدمی قانون کی گرفت میں آجاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد عقیل ، ڈاکٹر ، کرشن چندر کی افسانہ نگاری، مشمولہ : کتاب، لکھنو،دسمبر ۱۹۶۳ء،ص۴۶
1.Muhammad Aqeel, Doctor, Krishan Chander ki Afsana Nigari, Contents: Book, Lucknow, December 1963, p.46

۲۔کرشن چندر، کشمیر کی کہانیاں، الہ آباد پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد،اکتوبر ۱۹۴۹ء، ص۸،۹
2.Krishan Chander, Kashmir ki kahanian, Allahabad Publishing House, Allahabad, October 1949, pp. 8, 9
۳۔ شکیل حسین سید (مرتب)، کرشن چندر کی کہانیاں، بیکن بکس،لاہور ،۲۰۱۴ء،ص۱۵۵
3.Shakeel Hussain Syed (compiled), Krishan Chander ki kahanian, Beacon Books, Lahore, 2014, p. 155
۴۔کرشن چندر، ایک گرجا، ایک خندق، نیشنل انفار میشن اینڈ پبلی کیشنز لمیٹڈ، ممبئی،۱۹۴۸ء، ص۱۹۷
4.Krishn chander, Aik girja aik khandaq, National Information and Publications Limited, Mumbai, 1948, p.197
۵۔کرشن چندر، آن داتا، ایشیاء پبلشرز، دہلی،۲۰۰۴ء،ص۲۴
5.Krishan Chander, Andata, Asia Publishers, Delhi, 2004, p.24
۶۔کرشن چندر، نظارے، کتب خانہ ادبی دنیا،لاہور ،۱۹۴۰ء،ص۱۴۱
6. Krishn chander, Nizaray, Kutabkhana adabi dunya, Lahore, 1940, p. 141
۷۔ کرشن چندر، زندگی کے موڑ پر ، مکتبہ اردو، لاہور، ۱۹۴۳ء ، ص ۱۲۲،۱۲۳
7. Krishn chander, Zindgi kay morr par, Maktaba Urdu, Lahore, 1943, pp. 122, 123
۸۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، تنقیدی تناظر ، ایجو کیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ،۱۹۷۸ء،۱۵۷
8.Qamar Raees, Dr, Tanqeedi Tanazor, Educational Book House, Aligarh, 1978, p.157
۹۔کرشن چندر، نغمے کی موت، ہندوستانی پبلشرز، دہلی،۱۹۴۴ء، ص۷
9. Krishn chander, Naghmay ki mot, Indian Publishers, Delhi, 1944, p.7
۱۰۔کرشن چندر، طلسم خیال، ار اولی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۸ء ، ص ۳۷
10.Krishan Chandra, Talism-e- Khayal, Araoli Publishers, Delhi, 2008, p. 37
۱۱۔ایضاً، ص۱۸۰
11.Also, p. 180
۱۲۔کرشن چندر، تین غنڈے، نیا ادارہ ، لاہور، سن ندارد، ص۱۴۱،۱۴۲
12. Krishn chander, Thean Ghunday, New Institute, Lahore, Sun Darhad, pp. 141, 142
۱۳۔کرشن چندر، ہم وحشی ہیں، ایشیاء پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵
13. Krishn chander, Ham Wahshi hain, Asia Publishers, New Delhi, 2002, p.25
۱۴۔ایضاً، ص ۳۸،۳۹
14.Also, pp. 38, 39
۱۵۔ایضاً، ص۵۰
15.Also, p. 50
۱۶۔ایضاً، ص ۸۱
16.Also, p. 81
۱۷۔ایضاً،ص ۸۲
17.Also, p. 82
۱۸۔کرشن چندر، اجنتا سے آگے ، کتب پبلشرز لمیٹڈ، ممبئی،۱۹۴۸ء،ص۷۱
18.Krishnachandra,Ajanta say Aagay, Kutb Publishers Ltd., Mumbai, 1948, p.71
۱۹۔کرشن چندر، نئے غلام ، مکتبہ اردو ادب، لاہور، سن ندارد، ص۱۱۷،۱۱۸
19. Krishn chander, Nay Ghulam, School of Urdu Literature, Lahore, Sun Darhad, pp. 117, 118
۲۰۔کرشن چندر، آن داتا، ایشیاء پبلشرز، دہلی،۲۰۰۴ء ، ص ۱۴
20.Krishan Chandra, Andata, Asia Publishers, Delhi, 2004, p. 14